R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون ۔ ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
[illegible]

[illegible]

جلد ۲۵ ۔ شمارہ ۲۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ جون ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

نیاز کی یاد میں

(۲)

نیاز کے کارناموں کو سمجھنے کے لیے سرسید کی تحریک کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ سرسید نے مولوی شبلی کو علامہ شبلی بنایا ہو یا نہ بنایا ہو، نیاز محمد خاں کو علامہ نیاز فتحپوری بنا دیا۔ سرسید کے اثر سے عقلیت، حقیقت پسندی، نئی مشرقیت اور علم و ادب سے ایک نیا شغف عام ہوا۔ عبدالقادر کے مخزن میں نئی نسل کے فکر و نظر کے سارے نقوش مل جاتے ہیں۔ اس نے اقبال کو سوز یقین دیا۔ یلدرم اور نیاز کو زبان دی، محی الدین احمد کو ابوالکلام آزاد بنایا، عبدالقادر کو مضمون نگاری سکھائی۔ نیاز کی تعلیم پرانے نہج پر ہوئی تھی مگر ان میں ایک باغیانہ روح تھی۔ باپ کے اثر سے وہ قدیم طرز فکر سے بیزار تھے۔ شباب انھیں عورت کی طرف کھینچتا تھا۔ چنانچہ ادب کی دنیا میں جو تجربے ہو رہے تھے وہ ان کے لیے باعث کشش بن گئے۔ ٹیگور کی گیتان جلی کی خنک موج نے ان کی آگ بھڑکا دی اور وہ ادب لطیف اور انشائے لطیف کی طرف مائل ہوگئے۔ انھوں نے پہلے "نقاد" کے صفحات پر گل کاریاں کیں اور پھر "نگار" نکالا۔ کرلی اور ہوتا تو دو چار سال کے تلخ تجربوں کے بعد ہمت ہار بیٹھتا۔ مگر نیاز بڑے مضبوط ارادے کے آدمی تھے اور حالات سے ہار ماننا جانتے ہی نہیں تھے۔ کیوپڈ اور سائکی، کہکشاں کا ایک ساحر، ایک شاعر کا انجام، آج ہمیں زیادہ متاثر نہیں کرتے مگر اس زمانے میں یہ بڑے ہیجان انگیز ثابت ہوئے تھے۔ ان میں الفاظ سے ایک نیا عشق تھا اور الفاظ کا ایک نیا نشہ تھا، ادب کی ایک نئی پرستش تھی اور حسن کاری کی ایک نئی راہ۔ اس لیے نیاز کے افسانے، افسانے کم ہوتے تھے، ادب و انشا کا چمن زیادہ۔ ان میں اردو خاصی اردوئے معلیٰ ہوتی تھی، مگر بہرحال نئے خیالات و جذبات کے لیے نئی زبان استعمال کرنے کی کوشش تو قابل قدر کہی جا سکتی ہے۔ یہ اچھی نثر نہ تھی، مگر اس نے اچھی نثر کے لیے راستہ ضرور صاف کیا۔ ترجمے پر نیاز کو شروع سے قدرت تھی۔ اصطلاحوں کے ترجمے میں بھی جدت

کے باوجود ایک حسن تھا۔ جینیس کے لیے نابغہ اور ماسٹرپیس کے لیے اختراع فائقہ عام فہم نہیں اصل مفہوم کو تو اسیر کر لیتے ہیں۔ نیاز کا علم قاموسی تھا اور انھیں مذہبی معاملات میں عام خیالات سے ہٹ کر چلنا پسند تھا۔ اسی لیے باب الاستفسار کے ذریعے انھوں نے عام عقائد اور نظریات پر ضرب لگانی شروع کی جس کی قدامت پسند طبقے سے خاصی مخالفت ہوئی۔ نیاز نے اپنے دور میں دین اور شریعت میں فرق کیا تھا۔ آج یہ فرق خاصا واضح ہوگیا ہے مگر جس زمانے میں انھوں نے ان خیالات کا اظہار کیا اس زمانے میں اتنا واضح نہ تھا۔ اسی لیے ان کی زندگی کا خاصا حصہ مولویوں سے معرکہ آرائی میں گذرا۔ من و یزداں میں نیاز نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں ان میں خاصی روشن خیالی ہے۔ مگر مذہب کی روح اور انسانیت پر ایک ایمان بھی ملتا ہے۔ اس کا اسلوب نگارستان اور جمالستان یا مکاتیب نیاز کا سا نہیں، اچھی اور علمی نثر کا کامیاب اسلوب ہے۔ میرے نزدیک نیاز کی انشائے لطیف کی اہمیت تاریخی ہے، مگر من و یزداں، ایک مستقل قدر و قیمت رکھتی ہے۔ گویہ

اس شمارے میں

ضروری نہیں کہ سن و یزداں کے تمام خیالات سے اتفاق کیا جائے۔

نیاز نے باب الاستفسار کے ذریعہ سے اردو دنیا کو عالمی علوم اور افکار سے آشنا کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سلسلے میں ان کا دارومدار بہت کچھ انسائیکلوپیڈیا اور دوسرے حوالوں کی کتابوں پر ہوتا تھا۔ مگر وہ ان معلومات کو سلیقے سے اپنا لیتے تھے۔ بہر حال ان کے ذریعہ سے اردو داں طبقے کا افق ذہنی ضرور وسیع ہوا۔

ان کے مکاتیب دراصل مکاتیب کم ہیں، انشائیہ زیادہ۔ ان میں بڑی خوبصورت زبان ہے۔ فارسی اور اردو کے اشعار کا بڑا برمحل استعمال ہے اور موضوعات بڑے رنگین اور شوخ ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہ خط لکھے گئے بھیجے نہیں گئے اور جو خط بھیجنے کے لیے نہیں لکھا جاتا وہ خط نہیں انشائیہ ہوتا ہے۔

"نگار" نے اردو ادب کو جو کچھ دیا ہے اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ سے بہت سے نئے لکھنے والے ابھرے۔ بہت سے ادبی مسائل پر کھل کر بحث ہوئی، بہت سے علمی پہلو سامنے آئے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ شروع سے آخر تک یہ ایک علمی و ادبی رسالہ رہا۔ اس کے خاص نمبروں کے ذریعہ سے بعض مشاہیر کی دوبارہ پرکھ ہوئی اس میں انتہا پسندی بھی ہوئی، مگر مجموعی طور پر ادب کو اس سے فائدہ پہنچا۔ مثلاً مومن کی عظمت کو نمایاں کرنے میں حسرت کے بعد نیاز کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ نیاز کی طرح کوئی تمام شعرا کے دیوانوں میں سے مومن کا انتخاب نہ کرے گا اگر نیاز کی وجہ سے بھی مومن پر پہلے سے زیادہ توجہ ضرور کرے گا۔ نیاز نے عملی تنقید کے بھی بڑے اچھے نمونے پیش کیے۔ گو انھوں نے جوش و جگر کے ساتھ انصاف نہیں کیا، مگر جوش اور جگر کی خامیوں پر جس طرح نظر ڈالی اس کی وجہ سے ان کی بے جا مداحی کم ضرور ہو گئی۔ تنقید کے اصولوں کی وضاحت کر کے بھی انھوں نے فکر کے لیے نئی راہیں نکالیں۔

ایک نقاد کی حیثیت سے نیاز کا کیا درجہ ہے؟ ان کی تنقید میں ایک دورنگی ہے۔ ایک طرف وہ نئے تنقیدی افکار سے متاثر ہیں اور دوسری طرف فن کے معاملے میں بہت کٹر ہیں۔ وہ تنقید کے اچھے خاصے معلم ہیں مگر ان کی عملی تنقید زیادہ محدود قسم کی ہے۔ اس میں بت شکنی کا جذبہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اچھا نقاد نہ بت گر ہوتا ہے نہ بت شکن۔ وہ ادب کی روح کا نباض ہوتا ہے۔ جب وہ جمود یا تقلید دیکھتا ہے تو تجربے کی ضرورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب ادب کی دنیا میں انارکی کا نظارہ کرتا ہے تو ایک تنظیم اور ترتیب پر زور دیتا ہے۔ وہ روایات کی قدر کرتا ہے مگر روایت پرست نہیں ہو سکتا۔ وہ تجربے سے ہمدردی رکھتا ہے مگر تجربے کی خاطر فن کا خون گوارا نہیں کر سکتا۔ نیاز کی فکر میں وسعت تھی، مگر ان کا فن کا تصور زیادہ ترمیمی حسن کا تھا۔ وہ عقلیت پرست تھے مگر جذباتیت سے بلند نہیں ہو سکے۔ اس لیے تنقید میں تاثراتی رنگ ان سے چھوٹ نہیں سکی۔ کلاسیکی ادب کے سلسلے میں نیاز کی رائے کی بڑی اہمیت ہے۔ نئے ادب کے سلسلے میں وہ زیادہ سے زیادہ ایک اچھے نقیب کہے جا سکتے ہیں۔ بعض باتوں میں وہ ڈاکٹر جانسن کی طرح ہیں۔

نیاز ان ادیبوں میں سے نہ تھے جن کی دلچسپی صرف علم و ادب تک ہو۔ حالات حاضرہ پر بھی وہ گہری نظر رکھتے تھے۔ ان سے آج کے ادیب بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ادب سے عشق، ادب کی خاطر ریاضت، ادب کا ایک خاصا جامع تصور، فن کا احترام مگر تجربوں سے ہمدردی، اگر دو پیش کے مسائل سے آگہی، آئے دن کے انقلابات میں زندگی اور انسانیت کے بنیادی حقائق پر اصرار، ایک شوخی اور زندہ دلی جسے حوادث بھی ختم نہ کر سکے، خاموش علم اور ایک چلبلا قلم۔

اردو ادب کو نیاز نے اتنا کچھ دیا ہے کہ انھیں بھلایا نہ جا سکے گا وہ ہمارے ادب کے محسنوں اور معماروں میں سے ہیں بلکہ ہم انھیں ہمارا عظیم کہہ سکتے ہیں۔

برطانی اسکولوں میں ہندی اردو اور گجراتی کی تعلیم

لندن۔ ۲ جون۔ انڈین ورکرز ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک مہم چلائی جا رہی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انگلش اسکولوں میں ہندی اردو اور گجراتی اختیاری مضامین کی حیثیت سے پڑھائی جائے۔

اس سلسلہ میں برمنگھم کی تعلیمی کمیٹی سے درخواست کی جانے والی ہے ایسوسی ایشن کے سکریٹری جناب جوشی نے کہا "اکثر بچے اپنے ثقافتی پس منظر کو بھولتے جا رہے ہیں اس لیے اسکولوں میں ان کو مادری زبانوں میں تعلیم دی جانی چاہیے۔ (قومی آواز لکھنؤ)

گیا سے ایک نئے اخبار کا اجرا

حال ہی میں گیا (بہار) سے ایک نیا ہفتہ وار اخبار معین شاہ صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے جس میں حالات حاضرہ پر تبصرے اور تازہ خبریں ہوتی ہیں۔ چندہ سالانہ آٹھ روپے ہے اور فی اخبار دس پیسے۔ دفتر ہفتہ وار آدرش بیراگی گیا کے پتے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (ایک نامہ نگار)

محروم صاحب کے وطن عیسیٰ خیل (پاکستان) میں محروم لائبریری قائم کرنے کی تجویز

عیسیٰ خیل۔ ۳۰ مئی ۷۲ء یہاں محمد عبداللہ ندیم نیازی کی زیر صدارت معززین شہر کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں متعدد مقررین نے اپنے ہم وطن نامور شاعر جناب تلوک چند محروم کو دلی خراج عقیدت پیش کیا۔

جلسہ میں تین اہم تجاویز پاس ہوئیں: (۱) جناب محروم کے دولت کدہ واقع مزرو خیل میں محروم لائبریری قائم کی جائے۔ لائبریری میں سنگ مرمر کا کتبہ لگایا جائے جس پر محروم صاحب کی "تاریخ پیدائش"، "تاریخ وفات" اور مختصر حالات زندگی درج ہوں۔ (۲) شہر کے باہر نمائش گیٹ پر محروم صاحب کی یاد میں ایک کتبہ لگایا جائے۔ (۳) شہر میں "بزم محروم" کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی جائے جس کے زیر اہتمام شہر میں اردو سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔

امیر حسن نورانی

حالی کے کلام پر ان کے ہم عصر کی منظوم تنقید

سید محمد مرتضے یزدانی نے اپنے وطن میرٹھ سے ۱۸۸۷ء میں ماہنامہ "لسان الملک" جاری کیا تھا، یہ پورا رسالہ منظوم شائع ہوتا تھا۔ یزدانی کے کلام اور ان کی بعض تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک خوش فکر شاعر اور ذی علم صاحب قلم تھے۔ ان کا دوسرا تخلص بیان ہے، اردو، فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

یزدانی کا تعلق اس گروہ سے تھا جو مولانا الطاف حسین حالی کی "اصلاحات شاعری" کے خلاف تھا، اسی لیے وہ حالی کی شاعری کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار نظم و نثر دونوں میں کرتے رہے۔ انھوں نے حالی کی مخالفت کا سبب اور اپنا مقصد بہت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے:

"لسان الملک نے جب اقالیم قلوب کی تسخیر کے لیے سفر شروع کیا تھا اور اس کے کوس لمن الملکی" سے فصاحت و بلاغت کی صدا ڈنکے کی چوٹ پر آرہی تھی اور ہشیار نظم کی مرید و پسندیدہ اصلاح قومی کے جرس بجا رہی تھی، اس لیے اس کا فرض منصبی تھا کہ وہ راہ کو دشوار گذار سے صاف اور راستہ کو خس و خار سے پاک کرتا چلے تاکہ آنے والوں کا ستھرا دامن کانٹوں میں نہ الجھے اور تیز رو قدم ٹھوکر نہ کھائے۔

تھوڑی دور چل کر دریافت ہوا کہ اس میدان میں ایک ہولناک ریگستان آتا ہے اور وہ سراب نمایاں کی طرح کاروان سے بچھڑے ہوئے سیاحوں کو بھٹکا تا ہے۔ لوگ اسے "حالی کا کلام" کہتے ہیں اور دوڑے چلے جاتے ہیں، اس نے فوراً سحر البیان سے "سیلی استاد" کا نقش کھینچ کر اس صحرا کی سرحد پر لگا دیا جہاں سے حالی کا طلسم شروع ہوتا تھا، اس طلسم کشا نقش پر بعض بعض بزرگوں نے منافشت کیا اور رہم سے متاثر پیشانی کو تا بہ سرحد چین لے گئے، بندہ ہزار جان سے ان کا بھی شکر گزار ہے، کیونکہ یہ بھی "اصلاح بین" کی تحریک تھی اور لسان الملک کو بھی برا نہیں سمجھتا کہ اس نے جو کچھ کیا وہ بھی اصلاح قوم کا تقاضا تھا، دونوں کا مرجع نیکی و نیکوئی تھا (لسان الملک جنوری ۱۸۸۸ء نمبر جلد ۲ صفحہ ۹)

اس کے بعد ایک منظوم حکایت بطور تمثیل فارسی میں لکھی جس میں حالی پر چوٹیں کی ہیں، اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ حالی نے جو رنگ اختیار کیا اس میں کہیں کہیں "خامی کے دھبے نظر آتے ہیں، اس پر بھی وہی رنگ چڑھانا چاہیے کہ دورنگی" کا نشان مٹے اور ایک رنگی کا چوبن ابھرے" (صفحہ ۱ نمبر ۲ جلد ۲)

اس سے قبل کے شماروں میں یزدانی "سیلی استاد" اور مولوی الطاف حسین حالی کی مثنوی حقوق اولاد کے عنوان سے حالی کے کلام پر تنقید کر چکے تھے، اور اس طرح کہ پہلے حالی کا ایک شعر نقل کیا پھر خود اس شعر کی ادبی و لغوی خامیوں پر اپنے نقطۂ نظر سے منظوم تنقید کی، لیکن سنجیدگی کے ساتھ ہی اکثر جذبات سے مغلوب ہو کر تنقیص سے بھی گریز نہیں کیا، تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یزدانی کی نکتہ چینی یا نیم تنقیدی کاوش بے جان ہے۔ ذاتی چشمکوں سے قطع نظر اس میں بہت سی مفید باتیں آگئی ہیں، جس کا اندازہ پڑھنے کے بعد بخوبی ہو سکے گا۔ پہلے حالی کا ایک شعر درج ہے پھر اس پر "سیلی استاد" کے عنوان سے یزدانی کی منظوم تنقید ہے۔ اسی ترتیب سے لسان الملک میں یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

"حالی"

لاڈلا بیٹا تھا اک ماں باپ کا
جان ماں کی اور ایمان باپ کا

"سیلی استاد"

واہ واہ، اے حالی پاکیزہ حال — کیا اسی کو کہتے ہیں حسن مقال
یاد رکھا غیر کے ماں باپ کو — اپنے صانع کو نہ اپنے آپ کو
جس نے منھ میں آپ کے کھولی زباں — بولتی ہے ان گنت بولی زباں
گوشت کے ٹکڑے کو دیں گویائیاں — کلمہ نہیں لکڑی کو نظم آرائیاں
نطق بخشا گوہر افشاں کر دیا — آپ کا منھ موتیوں سے بھر دیا
ایک مدت تم نے کھایا خون حیض — آخر اپنا رنگ لایا خون حیض
رحم کی جھلی میں تھے تم جب جنین — جانتے تھے یہ جہاں اور یہ زمین
یہ چٹخے جانتی تھی کب زباں — کیا چٹاخے چھوڑتی ہے اب زباں
کس بری حالت سے حالی بن گئے — سیکڑوں حالی موالی بن گئے
خاک سے انسان بنایا آپ کو — دیکھیے کیا کر دکھایا آپ کو
شاہ جہاں آباد میں نوبت رکھی — اس نے پانی پت کی کیا کیا پت رکھی
نعمتیں دیتا رہا ہے، حق سدا — تم بھی کرتے کوئی اس کا حق ادا
دم فصاحت میں تو بارہا آپ نے — اس کو کو رہا ہی اتارا آپ نے
مثنوی میں بھی ہے انگریزی فشن — مدرسوں میں تاکہ ہو چلتی پھرن
ڈائرکٹر کی طبیعت نرم ہو — ہو گئی قیمت سے منشی گرم ہو
بن رہا ہے نت نیا لڑکوں کا کھیل — تانہ ہو ایصال زر میں کچھ جھمیل
آپ نے ٹھہرائی ہنسوڑی مثنوی — ہم اسے کہتے ہیں سنڈی مثنوی

کھینچنا تھا پہلے "بسم اللہ" پہ خط
واہ حضرت سیلی بسم اللہ خط

"حالی"

بال بیکا اس کا ہوتا تھا اگر — دونوں رہ جاتے تھے دل کو تھام کر

"سیلی استاد"

شعر اچھا ہے قباحت کچھ نہیں   لیکن انداز فصاحت کچھ نہیں
اہل معنی جانتے ہیں کیا لطیف   قافیہ جس نظم میں ہو بے ردیف

"حالی"

جانتے تھے گھر میں ہے دولت بہت   لکھنے پڑھنے کی نہیں حاجت بہت

"سیلی استاد"

آپ خود شرائف نحو و صرف ہیں   پاس پاس اک جنس کے دو حرف ہیں
کلفت، کو لکھے گا آپ ایسا ثقیل   اس کو اہل علم کہتے ہیں ثقیل
دیکھئے تو شعر خاصا ہے مگر   رہ گئی ہے اس میں تھوڑی سی کسر
اس گرانی سے ہوا معیوب شعر   اس طرح لکھتے تو ہوتا خوب شعر

"اصلاح بر شعر حالی"

جانتے تھے گھر میں ہے دولت بھری   لکھنے پڑھنے کی نہیں حاجت ذری

"حالی"

حق تو ان کے اس نے کیا ہوتے ادا   اور نادار اس ان کو وہ رکھنے لگا

"سیلی استاد"

قافیہ کی تنگ نہیں گو نادرست   کہتے ہیں ارباب فن اس کو بھی سست
قافیہ کا حسن ہے، حسن روی   کیجئے تطبیق روی کی پیروی
ان ضمائر سے سخن کا ناس ہے   "ان کے" "اس نے" ان کو وہ لکھو اس ہے
کیا ضمیروں سے ہوا مصرع رکیک   اس طرح کہتے تو ہوتا ٹھیک ٹھیک

"اصلاح بر شعر حالی"

حق تو کیا ماں باپ کے ہوتے ادا   اور نادار اس ان کو وہ رکھنے لگا
نام دلی میں بہت مشہور ہے   اور ابھی حضرت سے دلی دور ہے

"حالی"

گو نہ مطلق آدمیت اس میں تھی   پر جھلکتی قابلیت اس میں تھی

"سیلی استاد"

دور از یں حال آپ کو کیا ہو گیا   پھر وہی دونوں میں ایطا ہو گیا
رنگ روپ ہی نظم کا بے رنگ ہے   قافیہ حضرت کا بالکل تنگ ہے

"حالی"

چڑھ رہا تھا اس پہ صحبت کا رنگ
کٹ رہا تھا روشن آئینہ کو زنگ

"سیلی استاد"

اور تو کوئی نہیں ہے اس میں قبیح   صحبت بد سے ہے یہ صحبت کریہہ
کھپ گیا روشن بھی لیکن اس کی جا   صاف اگر ہوتا تو مصرع صاف تھا
یہ فصاحت کا کوئی اسلوب ہے   چڑھ رہا تھا اس پہ کتنا خوب ہے
دیکھنے میں گو نہیں فرق عظیم   اس کی دے گا داد وجدان سلیم

"حالی"

دیتے تھے پہر شفا دارو اگر
سر پہ رو رو کر اٹھا لیتے تھے گھر

"سیلی استاد"

لفظ رو رو تم کا بھی مشکوک ہے   کاش چھانٹ اس طرح کی متروک ہے

"حالی"

گرمی اور سردی میں گر پڑتے تھے تم   ہم نبھاتے تھے تو کرتے تھے ضد

"سیلی استاد"

دیکھئے پھر رائیگاں ہے قافیہ   ضد کا، اور تم کا، کہاں ہے قافیہ

"حالی"

بھوک میں گر دیکھتے تھے بے قرار   دودھ تھے تم کو پلاتے بار بار

"سیلی استاد"

دودھ پینے سے تو ماں ہے منفعت   اور یہاں ایطا ہے دونوں کی طرف
یہ گھڑت بالکل ہے بیہودہ بیان   باپ کے چھاتی تھی ہے دودھ کہاں
اور اگر کہیے کہ انداز سخن   ابتدا سے آ رہا ہے مجملاً
کھائے گا چکر کوئی کودن میاں   باپ چھٹ سال کا بھی اور یہاں
مصرع ثانی میں کچھ خوبی نہیں   کیونکہ بندش میں ہی خوش اسلوبی نہیں
ہو گئی تعقید لفظی کس طرح   ہم اگر کہتے تو کہتے اس طرح

"اصلاح بر اشعار حالی"

بھوک میں گر دیکھتے تھے بیقرار   دودھ ماں دیتی تھی تم کو بار بار

"حالی"

تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر   خود بخود تھی دل کو ہو جاتی خبر

"سیلی استاد"

خود بخود تھی دل کو ہو جاتی خبر   غور کیجئے اس کی بندش دیکھ کر
اس طرح شائق لکھتے ہیں کہیں   دیکھئے آورد ہے آمد نہیں
چستئی الفاظ کا رکھنا خیال   اور بندش کی بھی پیش و پس کی دیکھ بھال
آپ کا ذہن اس سے کیا انجان تھا   یوں اگر کہتے تو کیا نقصان تھا

"اصلاح بر شعر حالی"

تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر   خود بخود ہو جاتی تھی دل کو خبر

"حالی"

اوپری صورت سے تھے تم بھاگتے
دودھ ہرگز غیر کا پیتے نہ تھے

"سیلی استاد"

اوپری کیا، اس کو کہتے کیا نہیں؟   اوپری کہنے سے حضرت چپ رہیں
بھاگنا بھی گو بہت بیجا نہیں   دودھ پیتے پر مگر جچتا نہیں
گھٹنیوں بھی جو ابھی چلتا نہیں   پھر وہ بچہ بھاگ سکتا ہے کہیں؟
قافیہ کی اڑ گئی پھر آب و تاب   کیسی بیچارے کی ہے مٹی خراب
رہ گیا حسن فصاحت دور دور   اس قدر ہندی کی چندی کیا ضرور
اوپری صورت ہے کیا صورت بری   اجنبی کے ہوتے لکھا اوپری
ہندی اور بھاشا کی چندی کیوں لکیر   کیوں نکالا آپ نے اردو کا ہیر
ترک کیجئے یہ گنواری بولیاں
ہوتی ہے بدنام دلی کی زبان

(باقی صفحہ ۶ پر)

غزلیں

اشفاق احمد اعظمی

بڑھتے بڑھتے شعلہ آخر پہنچا اپنے دامن تک
آج کسی کے حسن کی آب محدود نہیں ہے چلمن تک
آتش گل سے جلنے لگتا ہے اب تو صبا کا آنچل بھی
اپنی بربادی بھی کہاں ہے گلشن اور نشیمن تک
دھواں دھواں ہو جاتی ہیں اک رت پہ برکھا کی بوندیں
آگ لگانے لگتا ہے بدمست یہ موسم ساون تک
گھر سے دور گگن کے نیچے تنہا اس ویرانے میں
غم کی راکھ میں دب جاتی ہے اکثر دل کی دھڑکن تک
کیسی ہے یہ کیسی بڑی ہے، دنیا ہم کو کیا معلوم
اپنی تو بس دوڑ رہی ہے تیرے پیار کے آنگن تک
ادنیٰ اعلیٰ سبھی کا رشتہ اس دنیا میں رہتا ہے
سانسوں کی جھنکار زلف کی آوازوں کی گونج تک
تم نے اس کے پیار کی شکتی کب دیکھی ہے اے اشفاق
پانی پانی ہو جاتا ہے سامنے جس کے دشمن تک

جے کرشن چودھری

دور طوفاں کب گرویدۂ ساحل ہوا؟ رہ نوردِ شوق کب آسودۂ منزل ہوا؟
حسرت تیرے حسن سے افسانۂ رنگیں نہیں اس میں میرا قطرۂ خونِ جگر شامل ہوا
کس لیے دیر و حرم جا کر جھکاؤں جبیں کب مرے سجدوں کو کم پیشانیِ دل ہوا
کب نگاہ شوق کو تاب جمال یار ہے میری راہ دید میں خود حسن ہی حائل ہوا
بعد مدت ہو گئی مجھ کو سعادت یہ نصیب درد کو رکھنے کے قابل آج اپنا دل ہوا
کچھ ہوئے سرشار اور کچھ تشنہ لب تشنہ مگر اس قدر اندھیر کیوں اے ساقیِ محفل ہوا
پیار کا دھوکا سہارا عمر بھر میں نے حبیب زندگی کا یہ نہیں حاصل تو کیا حاصل ہوا

نظر برنی

حسن کو کامیاب ہونے دو عشق پہ تند عتاب ہونے دو
عشق کا سدباب ہونے دو یہ حقیقت بھی خواب ہونے دو
ہے ابھی ہم میں تاب نظارہ حسن کو بے نقاب ہونے دو
آج کی شب تو ان کی محفل میں عشق کو باریاب ہونے دو
اُف یہ افسردگی نظم حیات اک نیا انقلاب ہونے دو
میں بلا نوش ہوں ازل ہی سے میری ہستی خراب ہونے دو
ہے نظر کو تلاش تو پھر سے ان کو پھر بے حجاب ہونے دو

مشتاق احمد خاں عادل ادیب

دل میں الفت جوان ہو کے رہی بیکسی کا نشان ہو کے رہی
کیا خبر کیوں ترے شباب کے ساتھ ہر تمنا جوان ہو کے رہی
ان کی نظریں جو پھر گئیں مجھ سے زندگی بدگمان ہو کے رہی
میری چپ نے بتا دیا سب کچھ بے زبانی زبان ہو کے رہی
سرد مہری سے ان کی اے عادل
گرمیٔ دل جوان ہو کے رہی

مطالعات

مناظر عاشق ہرگانوی

"ہماری زبان" کے ۸ دسمبر ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں جناب نادم سیتاپوری صاحب کا مضمون "مطالعات" شائع ہوا ہے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کی کتاب فسانۂ لطافت یار کا تعارف کراتے ہوئے نادم صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں "اسی زمانے میں اکثر کتابوں کے دو دو نام رکھنے کا عام رواج تھا۔ خود سرشار کے ناول "جام سرشار" کا نام پہلے "فسانۂ جدید" تجویز کیا گیا تھا۔ "جام سرشار" بعد میں ہوا۔"

میرے پیش نظر پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ایک مزاحیہ ناول "ہشو" کا ایک ناقص الطرفین نسخہ ہے۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے:۔

ہشو ناول

پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار لکھنوی

مصنف ۱۔ فسانۂ آزاد، ۲۔ جام سرشار، ۳۔ سیر کہسار ۴۔ فسانۂ جدید ۵۔ کامنی ۶۔ شمس الضحیٰ ۷۔ مثنوی تحفۂ سرشار ۸۔ شاخ نبات
مترجم ۹۔ الف لیلیٰ ۱۰۔ خدائی فوجدار ۱۱۔ اعمال ۱۲۔ مراسلات ڈفرینہ ۱۳۔ تاریخ ہند۔۔

(بعد کا حصہ بذرد دیمک اور پھٹا ہوا ہے اس لیے سنہ اشاعت اور مطبع کا پتہ نہیں چلتا)

"ہشو" ناول میں ۹۶ صفحات ہیں۔ آٹھ (۸) دورہ (باب) پر ختم ہوتا ہے۔ ہر باب میں عنوان ہے اور عنوان کے نیچے ایک شعر ہے مثلاً پہلا دورہ "بے تکی ... تک" کا عنوان ہے، شعر ہے

... سے کچھ غرض ہے نہ حاجت ہے نار کی ساقی کو جھونک دوں گا میں بھٹی میں بھولا کی

تیسرا دورہ "کلواری خانہ اور تین کانا۔" شعر ہے

ادھر کم کچھ ادھر جوتی ادھر پیزار ادھر ڈنڈا ابھی کلوار خانے میں ہے کیسی اٹھی یہ گنگا

چوتھا دورہ "ہشو کا وار" شعر ہے

حویلی میں گھسے پاجی یہ چور سے بکی اینٹیں ہوئے کڑیوں کے ٹوٹے

پانچواں دورہ "خواب" شعر ہے

کریں گے پیارے سے پیار اپنے کسی کے بابا کا ڈر نہیں ہے

سرورق کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ "جام سرشار" اور "فسانۂ جدید" سرشار کی دو مختلف کتابیں ہیں۔

اپنے اسی مضمون "مطالعات" میں نادم صاحب لکھتے ہیں "سرشار کی تصانیف میں "شمس الضحیٰ" کون سی کتاب ہے؟ کم از کم میری کم نگاہی ابھی تک اس کا کوئی جواب تلاش نہیں کر سکی۔ لیکن میر غلام حسنین قدر بلگرامی (تلمیذ غالب) کے کلیات (کلیات قدر بلگرامی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۳۵۰) میں ایک قطعہ تاریخ اسی نام کے تحت ملتا ہے؟"

"ہشو" کے سرورق سے سرشار کی کتاب "شمس الضحیٰ" کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ کتاب میری نظر سے گذر چکی ہے۔ ۱۸۸۰ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور اس میں جغرافیہ طبعی سے متعلق مضامین تھے۔

صفحہ ۴ سے آگے

"حالی"

کرتے تھے سیانوں کی جا جا منتیں مانتے تھے منت ہزاروں منتیں

"سیلی استاد"

کھولئے گر دیدۂ تحقیق کو منت اور منّت کو ٹھہرائے نہ دو
اصل تحقیق سخن سے دیکھئے مادّہ دونوں کا من ہے دیکھئے
عام کے اقوال پر رکھا مدار عام کے اقوال کا کیا اعتبار
بلبلِ دہلی کہاتے ہیں جناب بے تکی ہانکیں لگاتے ہیں جناب
چاہئے تھا تم کو منّت ماننا معنیٔ منّت پذیری جاننا
لفظ منت کا بھی تو بے ڈھنگل ہوا منت نے کے ساتھ مستعمل ہوا
روز مرہ گرچہ گندہ ہو گیا ہاں مگر "ایجادِ بندہ" ہو گیا
دھیان جدت کا نہ رکھا آپ نے نت بھی لکھا تک بھی لکھا آپ نے
دیکھئے حضرت سنگا کر دور ہیں ہو گئی کیا کیا زباں کی چھان بیں
چھوڑ دیجئے یہ پرانی بول چال آئے اس باسی کڑھی میں کیوں ابال

چوک جائیں چال سیانے کی طرح
اب چلیں بچے پرانے کی طرح

"حالی"

تم نے آخر جب نہ کچھ پڑھ کر دیا
دیکے کچھ دونوں کو رخصت کر دیا

"سیلی استاد"

مصرعِ اول ذرا سمجھائیے اس کی ترکیب اور ارشاد فرمائیے
یہاں کچھ بیت الفاظ کی کھلتی نہیں تک بھی کیا جب کہ یہ مشتق نہیں
دم گھسیٹا روم میں گستاخی معاف اس طرح تھا روز مرہ صاف صاف

"اصلاح بر شعرِ حالی"

تم نے آخر جب نہ کچھ لکھا پڑھا
دیکے کچھ دونوں کی سند دی پڑھا

"حالی"

کچھ بہت درکار زیور ہے نہ نقد
ہوتے اک شربت کے پیالے پر ہیں عقد

"سیلی استاد"

ہے یہ زور اپنے تکلف آپ کا
ورنہ ہے بیجا تصرف آپ کا
جانتے ہیں سب پیالہ فارسی
ہاتھ کے کنگن کو کیا ہے آرسی
ہے نہ برتے پر پیالہ باندھیے
اس پیالے کو نہ پالا باندھیے
کس قدر الفاظ کی افراط ہے اے عروسِ طبع یہ اسقاط ہے

داد اس ایجادِ نو کی کون دے
آپ کا ٹوٹا پیالہ کون دے

"حالی"

دیکھنے آئی تھی خلقت جھوم جھوم
دور تک اس بیاہ کی پہونچی تھی دھوم

"سیلی استاد"

پہونچی ہے یا پہونچتی ہے کیسے دھوم اور برائے بیت ہے یہاں جھوم جھوم
اس قدر کیجئے نہ غرّہ دیکھئے صاف کیجئے روز مرہ دیکھئے
کیا برستا مصرعِ ثانی سے نور دور تک کی جائے ہوتا دور دور

"حالی"

سر پہ لیتے اپنے گھر کا بوجھ تک
باپ کو فکروں سے کر دیتے سبک

"سیلی استاد"

اے ہمارے بھولے بھالے دیکھ لو
شاہ جہان آباد والو دیکھ لو
کیوں نہ جوبن شاعری کا خاک ہو
بر میں جب اتری ہوئی پوشاک ہو
تھوک دی تھیں چوس کر جو گٹھلیاں
پھر وہی حضرت نے منہ میں رکھ لیاں
کہئے اب اہلِ زباں ہیں کیا رہی
واہ حضرت تک کی بھی اچھی کہی

(ماخوذ از لسان الملک جلد ۱ نمبر ۵، ۱۸۸۵ء)

اس طرح یزدانی نے لسان الملک کے متعدد شماروں میں حالی کے کلام پر منظوم تنقید کا سلسلہ جاری رکھا۔ میرے پاس لسان الملک کا سب سے پہلا شمارہ موجود ہے اور اس کے علاوہ ۱۸۸۵–۱۸۸۶ء کے متفرق شمارے بھی ہیں۔ ان کے اندر اس سلسلے کے جتنے اشعار ہیں وہ لکھے گئے ہیں، اگر مکمل فائل موجود ہوتی تو اس سے اندازہ ہو جاتا کہ یہ دلچسپ سلسلہ کب تک جاری رہا اور حالی کی اور کون نظمیں ہیں جن پر یزدانی نے اپنے خاص انداز میں تنقید اور تنقیص کی کوشش کی ہے۔

مراسلات

ریڈیو کا نیا اردو پروگرام

نہ جانے یہ آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ پبلسٹی کی کمزوری تھی یا اردو داں طبقے کی بے حسی کہ ۱۵ رمئی کو جب اردو کے ۹ گھنٹے روزانہ* اردو کا ایک نیا پروگرام شروع ہوا تو نہ تو اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد اردو اخبارات میں اس کا کوئی ذکر آیا۔ حالانکہ یہی وہ مطالبہ تھا جو ہر اردو کانفرنس، ہر اردو رسالے اور اخبار کے اداریے میں بار بار دہرایا جاتا رہا تھا۔ اب صبح ۸½ سے ۱۰ بجے دن تک پھر ۲ سے ۵ بجے سہ پہر تک پھر ۸½ بجے شب سے ۱۲½ بجے رات تک اردو کے پروگرام شارٹ ویو پر نشر کیے جاتے ہیں جو سارے ہندوستان میں سنے جاسکتے ہیں۔ ویسے بھی، غریب اردو کی کچھ تو اشک شوئی ہوئی۔ ہم وزیر نشریات جناب راج بہادر کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اردو کا یہ نیا کل ہند نوعیت کا پروگرام دتی اسٹیشن سے نشر کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں پہلی بات زبان کے متعلق ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اردو والے جب سنسکرت آمیز مصنوعی ہندی پر معترض ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو فارسی یا عربی آمیز دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ آج ہندوستان کے اردو رسالوں اور اخباروں میں نثر و نظم کے ذریعہ ایسی زبان رواج پارہی ہے جو سیدھی سادی ہے اور جسے دوسری زبانوں کے الفاظ کے (خواہ وہ ہندی ہی کے ہوں) قبول کرنے میں کوئی تامل بھی نہیں ہے ہم اس زبان کی تقلید کی طرف نہیں جارہے ہیں جو ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں تیار کی جارہی ہے جس میں زیادہ سے زیادہ فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش مستحسن کوشش سمجھی جاتی ہے۔ اس بنا پر آل انڈیا ریڈیو کو اپنے ۹ گھنٹے کے اردو پروگرام میں اپنے ملک کی اردو کے مزاج کا لحاظ رکھنا چاہیے زبان سہل ہو سلیس ہو، بامحاورہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی بعض علمی موضوعات کی خاطر اصطلاحات کی بدولت زبان بوجھل ہوجائے۔ پروگرام کے اعلانوں میں بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ اس نئے اردو پروگرام سے مستفید ہونے والے وہ اردو داں ہوں گے جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ پروگرام مرتب کرنے میں مختلف علاقوں کے مصنفین اور شعرا اور فنکاروں کو جگہ دی جائے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے تقریروں، ڈراما، فیچر، نظموں اور موسیقی کے خاص طور پر تیار کیے ہوئے ریکارڈ منگوائے جائیں اور انہیں جمع کرکے مرکزی اسٹیشن سے یہ اردو پروگرام مرتب کرکے نشر کیا جائے۔ اس طرح حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

(۱) فنکاروں کا انتخاب زیادہ بڑے حلقے سے ممکن ہوسکے گا جس سے معیاری چیزیں حاصل ہوسکیں گی۔

(۲) پروگرام میں زبان اور مزاج کا تنوع پیدا ہوگا۔

(۳) مختلف علاقوں کے فنکاروں اور قلمکاروں کو اپنی تخلیقات پیش کرنے کا موقع ملے گا۔

(۴) قومی یکجہتی پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

(۵) مختلف علاقوں کے اردو داں طبقے کو اس کی شکایت نہیں رہے گی کہ ان کا علاقہ نظر انداز ہورہا ہے۔

امید کہ ان دونوں تجویزوں پر قارئین بھی اظہار خیال فرمائیں گے اور ریڈیو کے ارباب حل و عقد بھی غور کریں گے۔

(سید شہاب الدین دسنوی)

* اردو کے کئی اخباروں میں اس کا اعلان ہوچکا ہے اور اس پر اداریے بھی نکل چکے ہیں۔ (ادارہ)

ایک استفسار کا جواب

۱۵ راپریل کے "ہماری زبان" میں جناب انصار اللہ نظر کا ایک استفسار "فائق" کے بارے میں نظر سے گزرا، انشاء اللہ خاں انشاء کی جس فائق نے ہجو کہی ہے، اور جس کا تذکرہ مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں کیا ہے، وہ یہ "فائق" نہیں ہیں جن کا مصنفہ نسخہ حضرت نظر کو دستیاب ہوا ہے آب حیات میں جن "فائق" کا تذکرہ ہے، ان کا نام مرزا عبدالقادر بیگ خلف مرزا احمد بیگ قوم مغل ہے" اسلم پرویز نے اپنی مولفہ کتاب "انشاء اللہ خاں انشاء" میں تفصیل سے ان کا تذکرہ کیا ہے "وہ ص ۹۱ پر" انشاء اور فائق" کے زیر عنوان رقمطراز ہیں۔

"دہلی میں انشاء کی دوسری جھڑپ مرزا عبدالقادر بیگ فائق سے ہوئی۔ فائق نے کسی جگہ ضرورت شعری کی بنا پر "بد" کو مشدد "بدّ" باندھ دیا، انشاء کے جواباً ایک فارسی قطعہ اس کی ہجو میں لکھا جس میں التزام یہ کیا کہ بعض الفاظ کو طنزاً مشدد کردیا۔ ص ۱۱۰-۱۱۱

سخن الشعراء میں نساخ نے ان کے بارے میں لکھا ہے،

"فائق تخلص مرزا عبدالقادر بیگ دہلوی خلف مرزا احمد بیگ قوم مغل اصفہانی ملازم نواب بہادر جنگ والی بہادر گڑھ" ص ۳۵۶

بہرحال اس تاریخی حوالے سے یہ بات تو بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ کتاب مذکور اصول انشاء و اقسام نثر کے مصنف فائق اور مرزا عبدالقادر بیگ فائق دو علیحدہ علیحدہ شخصتیں ہیں۔

(ریاض الحسن)

یہ فارسی اشعار اور مصرعے کن شاعروں کے نتیجۂ فکر ہیں

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را — تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

بازی خواہم ز سر گیرم رہِ بیہودہ را

از ساز و برگ قافلۂ مجنوں اسیر شد — بے نالہ می رود جرسِ کاروانِ ما

چو تخم اشک بکلفت سرشتہ اند مرا — بہ ناامیدی جاوید کشتہ اند مرا
ز آہ سینہ اثر مر داغ خام کاری نیست — ز کشتنے کہ ندارم، برشتہ اند مرا

اگر دستے کنم پیدا نمی یابم گریباں را

اگر ندیدی تپیدنِ دل، شنیدنی بود نالۂ ما

کہ گفتہ بود کہ دردش دوا پذیر مبادا

خارہا از اثر گرمی رفتارم سوخت — منتے بر قدم راہروانست مرا

می کشد شعلہ سرے از دلِ صد پارۂ ما — جوش آتش بود امروز بہ فوارۂ ما

بہ تو اصحابِ معنی را، برنگ اصحابِ صورت را

کہ گلبن را ہمہ ستند و باغباں تنہا

دماغ بر فلک و دل بپائے مہر بتاں — چگونہ حرف زنم دل کجا و دماغ کجا

عجب گیرندہ دامے بود در عاشق ربائی ہا — نگاہ آشنائے یار پیش از آشنائی ہا

چہ دست می بری اے تیغ عشق اگر داد است — بہ سر زبانِ ملامت گر زلیخا را

خود رفتہ ایم و کنج مزارے گرفتہ ایم — تا بار دوش کس نشود استخوانِ ما

(۲)

کچھ عبدالماجد صاحب کے مراسلے کے سلسلے میں

میں نے "ہماری زبان" کے ۲۲ر اپریل کے شمارے سے عالی جناب سید فضل المتین کی عبارت سے چار جملے نقل کر کے لکھا تھا کہ ایک محقق اور ادیب کو غیر محتاط نہیں ہونا چاہیے جس پر مولوی عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے ۸ رمئی کے شمارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آسکی۔ جملے حسب ذیل ہیں۔

(۱) ابھی حال میں (۲) کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط (۳) ایک اہم ترین (۴) موقلم کی کاوش مولوی عبدالماجد صاحب کی شخصیت اور آپ کے تبحر علم کو مدنگاہ رکھ کر مجھے لب کشائی کی جرأت نہیں کرنا چاہیے لیکن اپنے شکوک دور کرنے کے سلسلے میں مجھے عرض مدعا کے بغیر نہیں بنتی۔

(۱) "ابھی حال میں" میں مولوی صاحب قبلہ کے خیال میں تاکید میں زور پیدا کرنے کے لیے "ابھی" کا استعمال کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک "ابھی" اب ہی کا مرکب ہے یعنی اب پر ہی بطور حصر لایا گیا ہے۔ مندرجہ بالا جملے میں حال پر حصر کا کلمہ لاکر زور پیدا ہو سکتا تھا اب پر حصر کرکے حال کو ابہام کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے تھا۔ میرے خیال میں "حال ہی میں" لکھ کر مطلب حل کیا جانا چاہیے تھا۔

(۲) "کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط" اس جملے میں سے مولوی صاحب قبلہ نے پایۂ پر علامت اضافت حذف کرکے "اعلیٰ پایہ" بنا کر جملے کو بے عیب بنا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پایہ سہو کتابت سے لکھا گیا ہو لیکن اعتراض کو باطل کرنے کے لیے لفظوں میں تخفیف کوئی اچھی بات نہیں۔ امکان ہے کہ مولوی صاحب قبلہ نے علامت اضافت کو تعجیل میں صرف نظر کر دیا ہو۔

(۳) "ایک اہم ترین" مولوی صاحب قبلہ کے خیال میں اہم پر ترین کا اضافہ محاورہ اور روزمرہ میں بالکل جائز ہے یہی نہیں بلکہ اہم تر اور اہم ترین دونوں بالکل درست ہیں۔

مولفین قاموس الاغلاط نے بھی لکھا ہے کہ "اہم" افعل التفضیل کا صیغہ یعنی مشکل تر بہت مشکل اردو میں بلاتشدید مستعمل ہے۔ بعض اہم کے معنی مشکل لیکر نہایت کا لفظ بڑھا دیتے ہیں یعنی یہ نہایت اہم کام ہے نیز یہ سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے کہتے اور لکھتے ہیں۔

آمدم بر سر مطلب! مجھے اعتراض "ایک اہم ترین" پر ہے "افعل التفضیل یا SUPERLATIVE" کے صیغے پر "ایک" کا صیغہ بے معنی ہے کیونکہ SUPERLATIVE بجائے خود ایک ہی ذات ہوتی ہے۔

(۴) "موقلم کی کاوش" مولوی صاحب قبلہ کا فرمان ہے کہ یہ غلطی تو اور بھی کچھ میں نہ آئی۔ اگر مولوی صاحب قبلہ "تہذیب جدید" کے شیدائی ہوتے تو میں بھی شاید ان کا ہم نوا ہو جاتا جس کے طفیل میں "ہو دشتی کے سائے" ایسے جملے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جہاں تک میری نکتہ آفرینی کا تعلق تھا میرے خیال میں کاویدن کا حاصل مصدر کاوش موقلم کی نہیں مصور کی موجودگی محسوس کرتا ہے کاوش یعنی کھود کھود کر نکالنا یا تلاش کرنا مستعمل ہے اور موقلم خود محتاج مصور ہے۔

مولوی صاحب قبلہ کا یہ جملہ "فصحا کا استعمال لغت و صرف و نحو کے ہر قاعدہ پر حاکم ہے محکوم نہیں" مجھے بسر و چشم تسلیم ہے لیکن اس ایک ہی نشتر سے غالب کو فصحا کے زمرے سے باہر کر دینا ہے جبکہ غالب

"ہے جگر تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا"

دیدنی یہ ہے کہ غالب کے بعد "تسلی نہ ہوا" کسی فصیح نے استعمال کرنے کی زحمت نہ اٹھائی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے ورنہ میں نے اپنے شکوک کی تصریح کر دی ہے۔ اردو میری اکتسابی زبان ہے اس لیے "اہل زبان" بننے والے دوستوں سے خواہ مخواہ الجھنا نہیں چاہتا۔ بھلا ہتھیوں سے گنے کون کھا سکتا ہے اس پر بھی اپنے علمی مذاق کی زندگی کے لیے مولوی صاحب قبلہ کے بصیرت افروز جواب سے یقیناً استفادہ کروں گا۔

(آغا خلش کاشمیری)

اردو ہندی کی شیلی نہیں ہے

ہندی علما کا اعتراف

الہ آباد ۶ رمئی یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی اعانت سے الہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی نے حال ہی میں ہندی کے سرکاری زبان ہونے کی نوعیت پر غور کرنے کے لیے ملک کی قومی زبانوں کے علماء کی جو کانفرنس منعقد کی تھی اس میں اصلاً یہ مسئلہ زیر غور آیا کہ دستور ہند کی دفعہ ۳۵۱ میں راج بھاشا کے جس روپ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی تشکیل میں ہندوستان کی تیرہ چودہ زبانیں کس طرح معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ کئی روز تک صبح اور شام کے اجلاسوں میں مختلف زبانوں کے نقطۂ نظر سے اس ہندی کی تشکیل کے مسائل پر غور کیا گیا جسے دستور ہند نے سرکاری زبان قرار دیا ہے۔ شریک ہونے والے علماء میں خاص طور پر تامل، تلگو، ملیالم، گجراتی، مرہٹی، بنگالی، اردو اور انگریزی کے نمائندوں نے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر آزادانہ بعض اہم خیالات کا اظہار کیا۔ بحث کے دوران عام طور پر جو باتیں واضح ہوئیں وہ یہ تھیں کہ دستور ہند کے احترام میں ہندی کو راج بھاشا تسلیم کرنا تمام ہندوستانیوں کا فرض ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے مختلف علاقائی زبانوں کی ترقی میں رکاوٹ پڑے یا انھیں ہندی کے مقابلہ میں کمتر درجہ کی زبان قرار دیا جائے۔ اس بات پر زور دیا گیا کہ اردو کسی حیثیت سے بھی ہندی کی ایک شاخ یا شیلی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ننانوے فیصدی ہندی کے علماء نے بھی تسلیم کیا۔ بحثوں کے دوران میں یہ بات بھی زیر غور آئی کہ اس ہندی کو جسے راج بھاشا بننا ہے آسان اور سادہ ہونا چاہیے جس میں عام طور پر سمجھے جانے والے صرف فارسی عربی ہی کے نہیں بلکہ دوسری زبانوں کے مستعمل الفاظ بھی شامل ہونا چاہئیں۔ ہندی کے بعض علماء کی طرف سے یہ زور دیا گیا کہ اگر ہندی میں سنسکرت کے الفاظ زیادہ سے زیادہ استعمال کیے جائیں تو ہندی کا رشتہ ان تمام زبانوں سے استوار ہو جائے گا جن میں سنسکرت کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس کانفرنس میں اس خیال کی سخت مخالفت کی گئی اور تامل، تلگو، گجراتی، مرہٹی، بنگالی کے مقرروں نے کھلم کھلا اس خیال کا اظہار کیا کہ راج بھاشا کو سنسکرت کے خالص الفاظ سے بوجھل بنانا نہ تو علمی حیثیت سے درست ہے اور نہ عملاً اس سے ہندی کو فائدہ پہونچایا جا سکتا ہے۔

کانفرنس میں اردو کی نمائندگی پروفیسر سید احتشام حسین، سید جعفر رضا اور ڈاکٹر محمد عقیل رضوی نے کی۔ پروفیسر احتشام حسین نے اپنے مضمون میں اس بات پر زور دیا کہ ہندی کے راج بھاشا بننے نے ہندی والوں کی ذمہ داریاں بڑھا دی ہیں۔ انھیں اپنے کسی قول یا عمل سے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی زبان سب زبانوں سے اعلیٰ ہے۔ یہ محض تاریخی اتفاق ہے کہ موجودہ سیاسی حالات میں ہندی کو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ ہندی کے مبلغین اور دوست اپنے بے جا جوش و خروش میں کبھی ہندوستان کی دوسری قومی زبانوں کو کمتر درجہ کا قرار دیتے ہیں اور کبھی اردو کو فرقہ وارانہ، غیر ملکی یا ہندی کی ایک شاخ کہہ کر ایک محدود زبان ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بات ہندی کو فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ ہندی کو فراخ دلی سے ہندوستان کی ہر زبان کے بہترین عناصر کو جذب ہونے کا موقع دینا چاہیے اور اس بات میں جلدی نہیں کرنا چاہیے کہ دوسری زبانوں کے بولنے والے ہندی کو فوراً ہی قبول کر لیں گے یا وہ جگہ دیں گے جو وہ اپنی مادری زبان کو دیتے ہیں۔ سید جعفر رضا (الہ آباد یونیورسٹی) نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ زبان کے خالص علمی مسئلہ کو سیاست کی ترازو میں تولا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندی والے اپنی برتری کو مستحکم بنانے کے لیے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اردو والے اپنے رسم خط کی جگہ دیوناگری اختیار کر لیں۔ اردو کے ادیبوں اور پڑھنے والوں کو اس پر اعتراض نہیں کہ اردو کی کتابیں دیوناگری رسم خط میں بھی شائع ہوں لیکن یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جمہوریت کے دور میں وہ کسی زبان کے بولنے والوں کو اپنا رسم خط چھوڑ دینے پر مجبور کرے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اردو رسم خط کو غلطی سے مسلمانوں سے منسوب کیا جا رہا ہے، حالانکہ اس کو ایک حیثیت سے ہی قومی رسم خط کہا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر انھوں نے اپنے مضمون میں ہندی کے اسلوب کی خامیوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ جب تک تذکیر و تانیث، محاورات، روزمرہ، الفاظ اور صحیح مفہوم کی طرف توجہ نہیں کریں گے اس وقت تک ہندی [illegible] نہیں [illegible] سکتی۔ ڈاکٹر عقیل رضوی نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ صرف اردو ہی سے یہ مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا رسم خط بدل دے۔

اس ہندی کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر سید احتشام حسین نے اس بات پر زور دیا کہ ہندی کی اس قسم کی کانفرنسوں میں ہندی والوں کو یہ مشورہ نہیں دینا چاہیے کہ دوسری زبان والے کیا کریں اور کیا نہ کریں بلکہ انھیں یہ دیکھنا چاہیے کہ دوسری زبانوں سے کیا لے کر وہ راج بھاشا کو خوبصورت اور ہر دلعزیز بنا سکتے ہیں۔ بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس کانفرنس نے کم از کم اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ زبان کے مسائل پر علمی حیثیت سے غور کرنے کی ضرورت ہے اور صرف جذبات کی رو میں بہہ کر سنسکرت کے خالص لفظوں کی آمیزش یا ہندی کو بنتی ہوئی زبان سمجھنے کے بجائے ایک بنی بنائی مکمل زبان سمجھنے کا جذبہ نہ صرف غلط ہے بلکہ ہندی کے ارتقاء

کیسے بھی نقصان دہ ہے دنیا کی ہر زبان کی طرح ہندی کا رنگ عالمانہ سے بنی ہے نہ آج بن رہی ہے اور کل اس میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوں گی۔ اس کے لیے ہندی پریمیوں کو فراخ دلی سے تیار رہنا چاہیے۔

کانفرنس کی ساری بحثیں بہت ہی خوشگوار دوستانہ اور آزادانہ ماحول میں ہوئیں اور شدید اختلافات کے باوجود کوئی تلخی نہیں پیدا ہوئی۔　　(قومی آواز)

مدھیہ پردیش انجمن ترقی اردو کا سرکلر

شاخوں کے عہدیداروں، کارکنوں اور ہمدردوں کے نام

ابراہیم پورہ بھوپال، ۲۰ رمئی انجمن ترقی اردو ہند کی شاخوں کے سلسلے میں جو نئے قواعد مرکزی مجلس عاملہ و مجلس عام نے منظور کیے ہیں وہ ہماری زبان علی گڑھ مورخہ ۸ رمئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکے ہیں جو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جدید قواعد کے تحت انجمن کی شاخوں کے انتخابات سالانہ ہوا کریں گے۔ اس لیے ۱۹۶۶ء کے لیے نئے انتخابات جلد از جلد ہو جانا بہت ضروری ہے۔ مہربانی فرما کر اپنے قصبے، حلقے، شہر اور ضلع میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن کے ابتدائی ممبر بنا کر چناؤ کرا لیجئے۔ چناؤ دس جون ۱۹۶۶ء تک مکمل کر کے ریاستی دفتر کو پندرہ جون تک فہرست عہدیداران و نمائندگان تعداد ممبران اور فیس الحاق وغیرہ ارسال کر دیجئے۔

ابتدائی ممبری کی فیس پچیس پیسے، ضلع کی مجلس عام کی فیس رکنیت ایک روپیہ اور ریاستی مجلس عام کی فیس رکنیت تین روپے سالانہ ہے۔

ہر مقامی شاخ اپنے ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے ہر بیس ممبران پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبران پر ایک نمائندہ (بشرطیکہ بقیہ ممبران کی تعداد دس سے کم نہ ہو) منتخب کرے گی۔ یہ نمائندے ضلعی شاخ کی مجلس عام کے رکن ہوں گے۔

ہر ضلعی شاخ کی مجلس عام کو اختیار ہوگا کہ اپنے ممبران کی تعداد کے لحاظ سے ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے کہ ضلع کے ہر دس ممبران یعنی ابتدائی دو سو ممبران پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبران پر ایک نمائندہ (بشرطیکہ بقیہ ممبران کی تعداد پانچ یعنی سو ممبران ابتدائی سے کم نہ ہو)

اپنی کارگزاری رپورٹ، حسابات کی آڈٹ رپورٹ اور گذشتہ سال کی بقایا رقوم (اگر آپ کی انجمن کے ذمہ ہوں) ارسال فرمائیے۔

نئے سال سے فیس رکنیت کی آمدنی کا دس فیصدی بطور فیس الحاق ارسال کیا جائے۔

امید ہے کہ تمام اردو دوست اردو کے مسئلے کی اہمیت اور اس سے اپنے لگاؤ، خلوص اور محبت کے پیش نظر انجمن کے دائرہ کو زیادہ وسیع، مضبوط اور منظم بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ممبر سازی فرمائیں گے۔ ممبری کے لیے عورت مرد کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے اپنے گھر، پڑوس، دوست احباب سب کو ممبر بنائیے۔ اردو کے لیے آپ کی تھوڑی سی دلچسپی اور کوشش کے نتائج بہت اچھے اور شاندار ہو سکتے ہیں۔!

شرقی عثمانی

(قائم مقام صدر مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو)

بھوپال (ایم۔ پی)

انجمن ترقی اردو دلی کے وفد کی وزیر بجلی و آبپاشی سے ملاقات

نئی دلی۔ ۲۹ رمئی۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کا ایک وفد آج یہاں حکومت ہند کے وزیر بجلی و آبپاشی جناب فخرالدین علی احمد سے ملا اور ان کو اردو کے مطالبات کے سلسلے میں ایک میمورنڈم پیش کیا۔ موصوف نے وفد کی باتوں کو غور سے سنا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں صدر کانگریس جناب کامراج اور وزیر اعظم ہند مسز اندرا گاندھی سے گفتگو کریں گے۔ ادھر انجمن کا ایک وفد کل وزیر اعظم ہند سے بھی مل رہا ہے آج کے وفد کی قیادت الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب شو پرشاد سنہا کر رہے تھے۔ وفد کے دوسرے ارکان میں محترمہ حمیدہ سلطان جناب خوشتر گرامی اور جناب بہار برنی شامل تھے!

یقین کیا جاتا ہے کہ اردو کا مسئلہ آئندہ ہونے والی وزراء اعلیٰ کی کانفرنس میں زیر غور آئے گا۔ یاد رہے کہ بمبئی میں اے۔ آئی سی سی کے حالیہ اجلاس کے دوران اردو محافظ دستہ نے اجلاس کے باہر دھرنا دیا تھا اور بعد ازاں ان کا ایک وفد صدر کانگریس سے ملا تھا صدر کانگریس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اس مسئلہ پر چیف منسٹروں کی آئندہ کانفرنس میں غور کیا جائے گا۔　　(الجمعیۃ)

انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے ایک وفد کی وزیر اعظم سے ملاقات

دلی ۳۰ رمئی۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے ایک وفد نے جس کی قیادت بیگم انیس قدوائی ایم۔ پی کر رہی تھیں، آج صبح وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور ان کو انجمن کی طرف سے ایک میمورنڈم پیش کیا۔ وفد میں محترمہ حمیدہ سلطان جناب خوشتر گرامی اور جناب بہار برنی شامل تھے۔

میمورنڈم میں کہا گیا تھا کہ دلی سیکڑوں برس، اردو تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہی ہے اور آج بھی بلا تخصیص فرقہ دلی والوں کی زبان ہے اور یہاں کسی سطح پر اردو کی کوئی مخالفت نہیں ہے میمورنڈم میں سابق اسٹیٹ اسمبلی کی زبان کمیٹی کی رپورٹ کا حوالہ دیا گیا تھا جس میں ساہتیہ ہندی سمیلن کا بھی ایک نمایندہ شامل تھا اس میں متفقہ طور پر اردو کو دلی کی زبان تسلیم کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا میمورنڈم میں کہا گیا تھا کہ ہوم منسٹری نے اب تک اس رپورٹ کو معرض التوا میں ڈال رکھا ہے میمورنڈم میں دلی میونسپل کارپوریشن میں اردو کی حیثیت کا بھی ذکر تھا اور اسے سرکاری حیثیت حاصل نہ ہونے سے جو مشکلات اردو بولنے والے لاکھوں عوام کو تعلیمی اور دوسرے مختلف میدانوں میں پیش آرہی ہیں ان کا تذکرہ تھا۔ آخر میں اس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ آئین کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو دلی میں علاقائی اور دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا جائے اور اس بے انصافی کا خاتمہ کیا جائے جو اب تک اردو والوں کے ساتھ روا رکھی جا رہی ہے۔

وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے دلچسپی اور غور کے ساتھ وفد کی معروضات کو سنا اور جناب بہار برنی نے شریمتی گاندھی کو دلی اردو کنونشن کی طرف سے پیش کردہ مطالبہ نامہ پر توجہ دلائی اور اس مطالبہ نامہ کی ایک کاپی بھی پیش کی جو شری شاستری کو پیش کیا گیا تھا اور کہا کہ دلی کے سب ہی سیاسی سماجی اور کاروباری حلقوں کی تائید اردو کو حاصل ہے۔ محض سرکاری سطح سے مخالفت ہو رہی ہے۔ شریمتی گاندھی کو سورگباشی جناب نہرو کے ایک خط کی نقل بھی پیش کی گئی جو انھوں نے انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے صدر کو لکھا تھا جس میں دلی میں اردو کے سلسلہ میں یقین دہانی کی گئی تھی اور دلی میں اردو کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا تھا مسز گاندھی نے کچھ سوالات اراکین وفد سے کیے اور اس معاملہ پر ہمدردانہ غور کرنے کا یقین دلایا۔

خیال ہے کہ انجمن کا ایک وفد صدر کانگریس سے بھی اس سلسلہ میں ملے گا۔ بیگم انیس قدوائی ان سے اس مسئلہ پر بات چیت کر بھی چکی ہیں۔

(الجمعیۃ دہلی)

انبالہ چھاؤنی میں انجمن کی شاخ قائم ہو گئی

انبالہ چھاؤنی۔ مورخہ ۲۲ رمئی ۱۹۶۶ء۔ آج بروز اتوار بوقت ۵ بجے شام جناب صابر ابوہری صاحب ایم۔ اے سپرنٹنڈنٹ ٹیلیگراف کے قیام گاہ پر اردو شعرا و ادبا کی ایک خاص میٹنگ زیر صدارت جناب صابر صاحب موصوف منعقد ہوئی جس میں انجمن ترقی اردو شاخ انبالہ چھاؤنی کا قیام عمل میں آیا اور متفقہ طور پر صابر صاحب کو صدر اور جناب کے۔ ب۔ پرواز کو سکریٹری چنا گیا۔ دیگر عہدیداران اور صوبائی شاخ کے نمائندوں کو چننے کا اختیار جناب ادم پرکاش ملک صوبائی سکریٹری انجمن ترقی اردو کو دیا گیا۔ جناب ملک نے اپنی مختصر تقریر کے دوران فرمایا کہ اردو زبان جو ہندوستان کی ہر دلعزیز زبان ہے اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ انجمن کی زیادہ سے زیادہ شاخیں کھول کر اسے بااثر اور مضبوط بنایا جائے میٹنگ صدر کے شکریہ کے ساتھ ختم ہوئی۔

(ک۔ ب۔ پرواز سکریٹری)

کلکتہ ریڈیو سے اردو پروگرام نشر کیے جائیں

انجمن ترقی اردو کا مطالبہ

انجمن ترقی اردو ہند (ریاستی شاخ مغربی بنگال) کے جنرل سکریٹری جناب ایم۔ اے مجید نے چند روز قبل آل انڈیا ریڈیو کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہ دہلی اسٹیشن سے روزانہ ۸ گھنٹے اردو کا پروگرام ۱۵ رمئی سے نشر ہوا کرے گا ڈائرکٹر کلکتہ ریڈیو اسٹیشن ڈائرکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو اور جناب راج بہادر وزیر اطلاعات ہند سے اردو دانوں کے پچھلے مطالبہ کا اعادہ کرتے ہوئے یہ اپیل کی کہ کلکتہ اسٹیشن سے بھی روزانہ اردو کے پروگرام نشر کرنے کا انتظام کیا جائے چونکہ مغربی بنگال اور خاص کر کلکتہ میں اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد بستی ہے اور ان کی خواہش ہے کہ یہاں سے اردو پروگرام نشر کیے جائیں۔ ۲۶ رمئی کے خط میں کلکتہ ریڈیو اسٹیشن کے ڈائرکٹر صاحب کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ انجمن کی جانب سے جو مطالبہ کیا گیا ہے اس پر کامل توجہ کے ساتھ غور کیا جا رہا ہے۔ مزید جواب کا انتظار کر لینے کے بعد دوسری ضروری کارروائیاں کی جائیں گی۔

(ادریس، تحتا پبلسٹی سکریٹری)

"ہماری زبان" کے خریداروں سے ایک گزارش

"ہماری زبان" کے خریداروں کے پتوں کی نمبر سلپوں کو از سر نو ترتیب دیا گیا ہے جس کی وجہ سے خریداروں کے نمبر خریداری یکم رجون سے بدل گئے ہیں۔ اس لیے خریداروں سے گزارش ہے کہ اس شمارے کے پتے پر مندرج اپنے نئے خریداری نمبر نوٹ کر لیں اور آئندہ نئے نمبروں کے حوالے سے خط و کتابت کریں۔

منیجر ہماری زبان

تبصرے

شہاب سرمدی

ماہنامہ شب خون

ایڈیٹر: ڈاکٹر سید اعجاز حسین
قیمت فی شمارہ ایک روپے
سالانہ چندہ دس روپے
ملنے کا پتہ: ۳۱۳ رانی منڈی الٰہ آباد

ہندوستان سے ایسے اچھے ادبی ماہنامہ بہت کم نکلتے ہیں کہ جن میں لکھنے کو جی چاہے یا جن کو پڑھکر زندگی اور ادب کے جدید تر رجحانات سے واقفیت حاصل کی جا سکے۔ پڑھنے والے کے ذہن اور ذوق کی تربیت کرنا، جذباتی افق کو وسیع کرنا، جدید عہد کی برکتوں اور لعنتوں سے اسے آگاہ کرنا عام ماہناموں کا مقصد نہیں ہوتا۔ ان کے پیش نظر تو صرف ایک معیار ہوتا ہے کہ مشہور ادیبوں کی ایسی چیزوں کو یکجا کر دیا جائے جن کو پڑھنے میں قاری کو اور جمع کرنے میں ایڈیٹر کو کسی زحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ذہنی تن آسانی اور ادبی سہل انگاری کی اس فضا میں کسی ایسے ماہنامہ کا اجرا، جو زندگی اور ادب کے زندہ مسائل پر دعوت غور و فکر دے، ہر لحاظ سے ستائش کے قابل ہے۔ "شب خون" جو ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے یقیناً ایسا ماہنامہ ہے جس میں ہم اپنے زمانے کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے تاب نظارہ شرط ہے۔

زیر تبصرہ شمارے میں حصۂ نثر میں جدید شاعری، ہندوستانی موسیقی اور ڈراما پر پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر سیتا دوسرن اور جناب مسیح الزماں کے مضامین اور نفسیات جنس پر میرن رچرڈ فان کرافت ایبنگ کی کتاب کا ایک باب کا ترجمہ جو شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کیا ہے، فکر کے نئے پہلو سامنے لے کر آئے ہیں۔ "شعرائے الٰہ آباد" کے عنوان سے ڈاکٹر اعجاز نے ایک مستقل سلسلہ شروع کیا ہے جس میں الٰہ آباد کے ان شاعروں کا تعارف ہے جنھوں نے اردو شاعری کو سنوارنے اور نکھارنے میں اپنا خون جگر صرف کیا لیکن جو کچھ اپنی بے نیازی اور کچھ زمانے کی بے اعتنائی کی وجہ سے گمنام رہ گئے۔ یہ سلسلہ شاہ غلام قطب الدین مصیبت کے حالات اور ان کی شاعری پر مختصر تبصرے سے شروع ہوا ہے۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ حواشی اور حواشی سے بوجھل نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں وہ تمام مواد موجود ہے جو ایک اچھے تذکرے میں ہونا چاہیے۔ مزید برآں اعجاز صاحب کی سادہ اور شگفتہ نثر نے اس میں ایک خاص دلکشی پیدا کر دی ہے۔

افسانوی حصہ کمزور ہے۔ بھیانک افسانے میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اسے بھیانک کہا جا سکے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی، سلیمان اریب اور عثمان عارفی کی غزلیں، عمیق حنفی اور آفتاب سید کی نظمیں، ورلین کی نظموں کا ترجمہ اور منظور الامین کا انشائیہ اچھی اور سچی شاعری کے قابل قدر نمونے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عقیل صاحب کے تبصرے مختصر ہیں بہت سی باتیں جو وہ کہنا چاہتے تھے ان کہی رہ گئیں جس کی وجہ سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ ادارۂ شب خون کو تبصروں پر خصوصی توجہ دینا چاہیے اور صرف اردو کتابوں ہی پر نہیں دوسری زبانوں کی اہم تصنیفات پر بھی سیر حاصل تبصرے شائع کرنا چاہیے۔

رسالہ کا گیٹ اپ اچھا ہے لیکن کتابت میں "فن" کا مظاہرہ ضرورت سے زیادہ کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی "شب خون" اردو ماہناموں میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔

نوائے سیفیہ۔ (بھوپال نمبر (حصہ ۲))

"نوائے سیفیہ" شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال کا ترجمان ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ بھوپال کی علمی، ادبی اور تہذیبی خدمات کے جائزوں اور تبصروں پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک شمارہ اس خاص مقصد کے لیے مخصوص کیا جا چکا ہے جس کو علمی اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ مضامین، موضوعات کا انتخاب، ان کی ترتیب، کتابت و طباعت ہر چیز میں خوش سلیقگی اور ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ چالیس صفحات کے اس مختصر نمبر کو دیکھ کر "دریا کو کوزے میں بند کرنے" والی مشہور مثل یاد آتی ہے۔ چونکہ اس نمبر کو وضع بنانے میں عبد القوی دسنوی صدر شعبۂ اردو سیفیہ کالج "شریک غالب" ہیں اس لیے ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں۔

آئینۂ غالب۔

شائع کردہ: پبلیکیشنز ڈویژن اولڈ سکریٹریٹ۔ دہلی ۲

ماہنامہ "آجکل" دہلی میں غالب کی شاعری اور شخصیت پر جو تنقیدی اور تحقیقی مضامین پچھلے چند سالوں میں شائع ہوئے ہیں "آئینۂ غالب" ان کا انتخاب ہے۔ مضمون نگاروں میں قریب قریب وہ سب نام شامل ہیں جنھیں غالبیات کے موضوع سے خاص دلچسپی ہے۔

۲۷۷ صفحات کی یہ کتاب ۵ روپے میں اوپر دیئے ہوئے پتے سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ناصر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا